اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (المجادلہ: 11)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ۔ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

دین اسلام کی شان:-

دین اسلام قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے قابل عمل ہے۔ بدلتے دور کے بدلتے تقاضوں کو اپنے اندر سمو لینا اسلام کی شان ہے۔ فقہاء نے فقہ کی تدوین اس انداز سے کر دی ہے کہ ان نقوش کے اوپر چلتے ہوئے کسی دور کا کوئی بھی مسئلہ ہو انسان اس کے بارے میں رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔ کوئی ایسی جگہ نہیں، کوئی ایسا وقت نہیں، کوئی ایسا موقع نہیں کہ جب اسلام انسان کو زندگی کے کسی مسئلہ کے بارے میں جواب نہ دے سکے۔

ادیان عالم کے زوال کی وجہ:-

یہودیت اور عیسائیت کے زوال پذیر ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے علماء نے اپنے ادوار میں دین کے اندر کچھ باتیں اپنی مرضی کے ساتھ لکھنا شروع کر دیں اور ان کے معانی و مفہوم اپنی مرضی کے مطابق بیان کرنا شروع کر دئیے۔ جہاں اپنا مفاد دیکھتے اس کے بارے میں اچھی بات کہنا شروع کر دیتے۔ بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان کے ادیان کی حفاظت ان کے علمائے کرام کے ذمے تھی۔ جب علمائے کرام نے ہی دین میں تحریف شروع کر دی تو حفاظت کیسے ہوتی۔ پس وہ تمام ادیان زوال کا شکار ہو گئے۔

دین اسلام کی حفاظت:-

دین اسلام ایک ایسا دین ہے کہ جس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ اللہ رب العزت نے

ارشاد فرمایا۔اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:9) اس نصیحت نامے کو ہم نے ہی نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ جب پروردگار عالم نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا تو اب علماء کی ایک جماعت ایسی ہوگی جو قیامت تک سیدھے راستے پر چلے گی۔اس دین کے اندر کوئی ٹیڑھا پن یا کجی نہیں آنے دے گی جب کوئی قرآن کی تفسیر لکھے گا تو وہ جماعت کچی بات نہ لکھنے دے گی۔ جہاں وہ کوتاہی کرے گا،کوئی غلط بات لکھے گا یا اس کی تحریر میں سقم ہوگا تو اہل حق کی یہ جماعت اس کی نشاندہی کردے گی۔کھوٹے اور کھرے کو الگ کردے گی۔قرآن مجید میں اسے اللہ کی جماعت کہا گیا ہے۔اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (المجادله:22) اور اللہ کا یہ گروہ ہمیشہ کامیاب رہے گا۔ حدیث مبارکہ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ کے مصداق چونکہ علماء ہی انبیاء کرام کے وارث ہیں لہٰذا ان کی بنیادی ذمہ داری دین کی حفاظت ہے۔

انگریزی پڑھے لکھے لوگوں کی عجیب سوچ:-

آج کے انگریزی پڑھے لکھے حضرات کے ذہن میں ایک بات اکثر آتی ہے کہ علماء کو سائنس پڑھنی چاہئے،علماء کو انگریزی پڑھنی چاہئے۔اس وقت وہ اس چیز کو بھول جاتے ہیں کہ علماء کے ذمے دین کی حفاظت کا کام ہے۔انہوں نے اس دین کو چودہ سوسال پہلے والی حالت میں من وعن قیامت تک محفوظ رکھنا ہے۔اس لئے حق تو یہ تھا کہ انگریزی پڑھے لکھے لوگ یہ کہتے کہ جتنے بھی انگریزی خواں ہیں ان سب کو دین پڑھنا چاہئے .... یہ اپنا اپنا انتخاب ہوتا ہے ...... یاد رکھیں کہ یہ علماء کرام زمانے کے حالات سے متاثر نہیں ہوتے ، بلکہ انہوں نے دین جیسے اپنے اوپر والوں سے پایا ہے بالکل اسی طرح آنے والی نسلوں کو پہنچاتے ہیں۔اس لئے اب ان کو انگریزی پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔البتہ جو

انگریزی پڑھ رہے ہیں ان کو دین پڑھا لو۔ آپ کی یہ حسرت بھی پوری ہو جائے گی۔

غلامی کے دوسو سال:-

مسلمانوں نے جس طرح برصغیر میں غلامی کے دوسو سال گزارے، اگر معاملہ ہم جیسے عوام الناس پر موقوف ہوتا تو معلوم نہیں کہ دین آج کس شکل میں ہوتا، اس دین میں پتہ نہیں کتنے ''دین الٰہی'' پیدا ہو چکے ہوتے۔ آج کل کے نوجوان فرنگی لباس پینٹ کوٹ کے دلدادہ اور دفتروں کے بڑے رسیا بنے ہوئے ہیں۔

انہوں نے دین کہاں سیکھا بھلا جاجا کے مکتب میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

اس لئے اگر یہ بوجھ ہمارے کندھوں پر ہوتا تو آج ہم انگریز کی تہذیب کو سنت بنا کر آنے والی نسل کو پیش کر رہے ہوتے۔

نیویارک میں ایک ٹائی عالم کی بدزبانی:-

کچھ عرصہ پہلے نیویارک میں ایک صاحب سوٹ پینٹ پہنے، ٹائی لگائے ہوئے منبر پر چڑھے جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ ایسے حضرات کو ہم ٹائی علماء کہتے ہیں۔ وہ صاحب خطبہء جمعہ دیتے ہوئے کہنے لگے، نقل کفر کفر نہ باشد، کہ آج کے دور میں اگر رسول اللہ ﷺ بھی ہوتے تو وہ بھی جین کا لباس پہنتے۔ (اس کے منہ میں خاک)۔

یہ اچھا ہوا کہ اس مجمع میں کوئی دیوانہ تھا۔ وہ یہ بات سن کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا، جناب! آپ تو میرے آقا ﷺ کی بات کر رہے ہیں، میں ان کے غلاموں کے غلاموں کے غلاموں کا غلام بھی نہیں بن پایا اور آج میں اس فرنگی لباس سے نفرت کرتا ہوں تو آپ میرے آقا ﷺ سے یہ بات کیسے منسوب

کر سکتے ہیں۔ پھر اس دیوانے نے بڑے مزے کا جواب دیا، کہنے لگا! مولانا! ذرا اپنے ذہن کو صاف کر لیجئے کہ انبیاء دنیا میں اس لئے نہیں آتے کہ وہ کسی کی پیروی کریں بلکہ وہ اس لئے آتے ہیں کہ لوگ ان کی پیروی کریں......اس نے بالکل ٹھیک جواب دیا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النسآء:64) (اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کی پیروی کی جائے اللہ کے حکم سے) اگر انبیاء کرام پیچھے چلنے والے ہوتے تو حضرت موسیٰ تو فرعون کے ساتھ ہو جاتے اور نبی اکرم ﷺ دور جاہلیت کے رسم ورواج کے مطابق زندگی گزارتے، مگر نہیں، وہ تو چٹان کی طرح ڈٹ جاتے تھے، سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتے تھے۔اسی وجہ سے ان کو بڑے بڑے مجاہدے برداشت کرنا پڑتے تھے۔

حق کی فتح:-

حدیث پاک میں آیا ہے کہ انبیاء کرام پر سب سے زیادہ آزمائشیں آئیں ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ پھر وہ جوان کے مشابہ ہوئے، پھر وہ جوان کے مشابہ ہوئے۔تو یہ مجاہدے اس لئے تھے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک طرز زندگی عطا کر دیا گیا تھا۔وہ اس کے اوپر جم جاتے تھے۔کفر ٹکریں مارتا رہتا تھا مگر وہ اپنے مشن میں پورے اترتے تھے۔اللہ تعالیٰ حق کو باطل پر پھینک مارتے تھے۔اور حق باطل کا بھیجہ نکال دیتا تھا۔یوں حق کی فتح ہو جاتی تھی۔

کلین شیو مفتی اعظم......!!!

انسان کو اپنے ملک کے علمائے کرام کی قدر اس وقت آتی ہے جب وہ ملک سے باہر قدم رکھتا ہے۔یقین کیجئے کہ باہر ملکوں کا ماحول اتنا کافرانہ بن چکا ہے، اس قدر وہاں پر فرنگی تہذیب غالب آ چکی ہے، اتنی

ظلمت آتی جارہی ہے کہ وہاں کے علماء بھی ان اثرات کی لپیٹ میں آرہے ہیں۔فقیر ایک مرتبہ کسی ملک کے مفتی اعظم کے پاس گیا تو حیران رہ گیا کہ وہ Clean shave (کلین شیو) تھے۔اتنا بڑا ملک کہ وہ اسلامی ملکوں میں Atomic Power (ایٹمی طاقت) ہے،اس ملک کے مفتی اعظم کی یہ حالت ہے کہ وہ سنت سے محروم ہے بلکہ وہ سنت کو اس طرح سمجھتا ہے جیسے عام آدمی مستحبات کے بارے میں گمان رکھتے ہیں۔

ترکی میں مساجد کی بے ادبی:-

آپ ترکی کے ملک میں چلے جائیں۔آپ کو مسجد کی صفوں کے ساتھ ساتھ سگریٹ کے چھوٹے ٹکڑے نظر آئیں گے۔ہوتا یہ ہے کہ جب کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں تو بعض لوگ نماز کے انتظار میں سگریٹ پی رہے ہوتے ہیں جب نماز کے لئے جماعت کھڑی ہوتی ہے تو وہ وہیں سگریٹ بجھا کر اللہ اکبر کہہ لیتے ہیں۔مسجدوں کا یہ ماحول علماء کی بدحالی کی دلیل ہے۔

عورتوں کی زبوں حالی:-

وہاں کی عورتوں نے سکرٹ کیسے پہننا شروع کی جس میں ان کی ٹانگیں پنڈلیوں تک ننگی ہوتی ہیں۔وہاں کی عورتوں نے ننگے سر کیوں رہنا شروع کیا؟ علماء کی کمزوری کی وجہ سے اب وہاں کا ماحول ایسا بن چکا ہے کہ اگر آپ مسلمانوں کی آبادی میں جا کر دیکھیں تو آپ کو پتہ نہیں چلے گا کہ میں مسلمانوں کی آبادی سے گزر رہا ہوں یا فرنگیوں کی آبادی سے۔

دل ہلا دینے والا مذاق:-

وہاں دیہاتوں کے اندر علم نہیں تھا،کئی ایسی مساجد بھی دیکھیں جہاں لوگوں نے جبہ رکھا ہوتا ہے،ایک پگڑی رکھی ہوتی ہے اور ایک داڑھی بنی ہوئی پڑی ہوتی ہے۔امام صاحب سوٹ پینٹ میں آتے ہیں

اور مصلے پر کھڑا ہونے سے پہلے جبہ پہن لیتے ہیں اور پگڑی بھی باندھ لیتے ہیں۔اور یہ بات کہتے ہوئے دل پانی پانی ہوتا ہے کہ مسجد میں پڑی ہوئی داڑھی اٹھا کر لگا لیتے ہیں اور اس حال میں امامت کرواتے ہیں۔آپ نے سنت رسول اللہ ﷺ کا ایسا مذاق کبھی نہیں سنا ہوگا۔

خراج تحسین:۔

اللہ رب العزت ہمارے حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔یقین کیجئے کہ اگر ہم ان کے جوتے سر پر رکھیں تو بھی ان کا ادب نہیں کر سکتے۔ہمارے علماء ہمارے سینوں پر پاؤں رکھ کر آگے گزر جائیں تو پھر بھی ہمیں اس کا دکھ نہیں ہوگا۔انہوں نے اپنا فرض منصبی پورا کر کے دکھا دیا۔اس لئے آج کوئی بھی چیز دین کے خلاف ہو اگر چہ کہیں بھی ہو تو دنیا میں پاکستان ہی ایسا ملک ہے کہ جہاں کے علماء سب سے پہلے اس کی نشاندہی کرتے ہیں۔اس ملک کی قدر باہر جا کر آتی ہے۔یہاں رہتے ہوئے تو اقتصادی حالات کی وجہ سے ہر بندہ شکوے کر رہا ہوتا ہے لیکن خدا کے بندو! تمہارا دین اور ایمان یہاں رہتے ہوئے محفوظ ہے تم نے اس کی کوئی قیمت بھی نہیں ڈالی۔اگر باہر جا کر تمہیں چند ٹکے مل جاتے ہیں تو کیا وہ ایمان کی قیمت بن سکتے ہیں؟ نہیں بن سکتے۔یورپ میں جتنے مسلمان ہیں ان سب کو پیٹ بھر کر کھانے پینے کو ملتا ہے۔اور جب کھانے پینے کو ملے تو بندہ پیٹ بھرا ہوتا ہے اور اس سے معصیت کی طرف میلان بڑھتا ہے۔

امریکی مسلمانوں کی سرزنش:۔

ایک دفعہ فقیر کو امریکہ کی ایک مسجد میں درس قرآن کی دعوت ملی۔چنانچہ مسجد میں پہنچے تو دیکھا کہ مسجد بہت بڑی تھی اور آدمی صرف ستر پچھتر تھے۔وہ سب لوگ دیواروں کے ساتھ اوٹ لگا کر بیٹھ گئے،ٹانگیں لمبی کی ہوئی تھیں،اور صحن بالکل خالی۔وہ کہنے لگے،حضرت! آپ بیان کریں ہمیں آواز پہنچ رہی ہے۔

وہاں کا انداز ہی ایسا ہوتا ہوگا۔ فقیر کو جب اس انداز سے انہوں نے کہا تو پھر منبر کا بھی کچھ حق ہوتا ہے۔ پھر فقیر نے ان کے دماغ کھولے۔ اور کہا! بھئی سنو! ہر محفل کے آداب ہوتے ہیں۔ تم پر افسوس ہے کہ جنہیں آج تک ان آداب کا پتہ نہ چل سکا کہ اللہ کے قرآن کو کسی محفل میں سننے کے لئے آئیں تو کیسے بیٹھنا ہوتا ہے۔ اور پھر ان کو وہ سنائیں کہ وہ ساری زندگی یاد رکھیں گے۔ فقیر نے بالکل صاف کہا کہ تم لوگوں نے وطن چھوڑا، خویش قبیلہ چھوڑا، عزیز واقارب چھوڑے، اتنے اچھے ماحول کو چھوڑا، تمہیں تمہاری ماں روئے، کیا تم یہاں آ کر اپنا دین بھی چھوڑ دو گے؟ تمہارے پلے کیا بچے گا کہ چند ٹکوں کی خاطر تم نے ایسا سودا کیا۔ یہ سن کر ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ فقیر نے کہا، تم کیا سمجھتے ہو کہ میں تم سے کچھ لینے کے لئے آیا ہوں، یقین کرو کہ میں اس جگہ پر تمہیں کچھ دینے کے لئے آیا ہوں۔ پھر ان کو احساس ہوا اور سیدھے ہو کر سامنے بیٹھ گئے۔ یہ اصل میں پیٹ بھرے کی باتیں ہوتی ہیں کہ جب انسان کو کھانے کو مل جائے تو پھر بندہ دین کو مذاق بنا لیتا ہے۔

علماء کی ذمہ داری:-

ان حالات میں دین کی حفاظت کون کرے گا؟ یہ علماء کی ذمہ داری ہے۔ اگر یہ کام دفتر والوں کے، حکومت والوں کے یا عام لوگوں کے ذمہ ہوتا تو یہ لوگ دین کے ساتھ اس طرح کھیلتے جس طرح بچے روزانہ اپنے کھلونوں کے ساتھ کھیلتے رہتے ہیں۔ مگر الحمد للہ! اللہ رب العزت نے مہربانی فرمائی کہ اس دین کی حفاظت ایک ایسی جماعت کے سپرد کر دی جس کے بارے میں فرمایا، وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ (المآئدہ: 64) خدا والے، رب والے نیک بندے وَالْاَحْبَارُ (المآئدہ: 64) اور اہل علم حضرات بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ (المآئدہ: 64) جنہوں نے اللہ کی کتاب کی حفاظت کرنی ہے

وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ(المآئدہ:64) اور یہ اس پر گواہ ہیں۔انہوں نے ایک ایک آیت پر ڈیرے ڈالنے ہیں، جھگیاں ڈالنی ہیں اوراس دین کے اندر کسی کو رخنہ اندازی نہیں کرنے دینی۔

اکابرین امت کی قربانیاں:-

ہر دور میں علماء اس دین کی خاطر قربانیاں دیتے رہے۔آپ پیچھے کی تاریخ دیکھیں تو آپ کو امام احمد بن حنبلؒ کی قربانیاں نظر آئیں گی کہ انہوں نے کس طرح وہ کوڑے کھائے کہ جو ہاتھی کو مارے جاتے تو وہ بھی بلبلا اٹھتا، وہ کوڑے نازک بدن پر مارے گئے اور انہوں نے کوہ استقامت بن کر ان کوڑوں کو برداشت کیا۔ذرا دیکھو ان کی زندگیوں کو، کہیں آپ کو امام اعظم ابوحنیفہؒ کی نعش جیل سے نکلتی ہوئی نظر آئے گی۔یہ سب کچھ کس لئے تھا؟ وہ دین کی خاطر قربانیاں دیتے تھے۔کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ یہ ہماری ذمہ داری ہے۔

تقریر اور تحریر کا فیض:-

اس دین پر کام تقریر کے ذریعے سے بھی کیا گیا اور تحریر کے ذریعے سے بھی۔محدثین نے درس دیئے، مفسّرین نے درس دیئے، مشائخ عظام نے درس دیئے اور اپنے اپنے وقت میں لوگوں کے دلوں کو گرمایا۔یہ بھی ایک بڑا کام تھا مگر تحریر کا کام اس سے بھی بڑا کام ہے جس کی عمر ہزاروں سال ہوا کرتی ہے۔اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ تحریر کا فیض تقریر کے فیض سے ہمیشہ زیادہ ہوتا ہے۔

ہدایہ کا فیض:-

دیکھیں کہ ''ہدایہ'' فقہ کی ایک کتاب ہے۔لکھنے والے دنیا سے رخصت ہو گئے۔کئی لوگوں کو ان کے نام کا بھی پتہ نہیں ہوگا۔لیکن سینکڑوں سال گزرنے کے بعد آج بھی کوئی عالم بنتا ہے تو وہ اس کتاب کو پڑھے

بغیر اپنے آپ کو عالم نہیں کہلوا سکتا۔

فتاوی شامی کا فیض:-

قریب کے زمانے میں دیکھیں کہ علامہ شامیؒ دنیا سے تشریف لے گئے۔ مگر ایسا فتاوی ترتیب دے گئے کہ آج ہمارے جس مفتی کے پاس کوئی فتویٰ پوچھنے جاتا ہے تو سب سے پہلے جو کتاب ان کے ہاتھ میں آتی ہے وہ فتاوی شامی ہوتی ہے۔ آپ کو حوالے ملیں گے۔ معلوم ہوا کہ وہ دنیا سے چلے گئے، لیکن سینکڑوں سال گزرنے کے بعد آج بھی ان کی کتب فیضان کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔

امت کا خزانہ:-

امت کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اپنے تجربات ومشاہدات اور جو کچھ پڑھا ہو، سمجھا ہو یا کیا ہو وہ بھی آنے والے لوگوں تک پہنچائے کیونکہ یہ امت کا خزانہ ہے۔ تاکہ آنے والی نسلوں کو پتہ چل سکے کہ فلاں دور میں علماء کو کس طرح مدارس میں پڑھنا پڑا، کس طرح زندگیوں میں مشکلات پیش آئیں، کس طرح ان کی زندگی کے معاملات تھے اور انہوں نے مصیبتوں سے نکل کر کس طرح اس ذمہ داری کو پورا کیا۔ ہر ہر عالم پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس ذمہ داری کو کسی نہ کسی انداز میں ضرور پورا کرے۔

اسلام کے خلاف کتابوں کی تصنیف:-

اکثر ائمہ اور فقہاء اساتذہ بھی بن جاتے ہیں مگر ان سے تحریر کا فیض جاری نہیں ہوتا۔ یہ آج کے دور کی بہت بڑی کمی ہے۔ یورپ ہر سال اسلام کے خلاف اتنی کتابیں لکھ رہا ہے کہ شاید کوئی دن ایسا نہ ہو جب اسلام کے خلاف کوئی کتاب نہ لکھی جا رہی ہو۔ ہمیں اسلام کے حق میں کتابیں لکھنی چاہئیں تھیں تاکہ فرنگی فتنے کا قلع قمع ہو سکے۔

قرآن مجید کی طباعت:-

فقیر ایک دفعہ رشیا کے ایک شہر کازان میں حاضر ہوا۔ یہ کازان وہ شہر ہے جہاں سب سے پہلے قرآن مجید کو پرنٹنگ پریس پر پرنٹ کیا گیا۔ دوسرا نسخہ جرمنی کے شہر ہیمبرگ کے اندر پرنٹ کیا گیا تھا۔ مفتی محمد شفیع صاحب اپنی تفسیر کی ابتداء میں لکھتے ہیں کہ کازان کے شہر میں حمزہ بے نامی شخص نے قرآن مجید کو سب سے پہلے پرنٹ کیا۔ اس وقت یہ شہر رشیا کا مرکزی شہر تھا۔ ان دو جگہوں سے ایسی ترتیب چلی کہ آج پرنٹنگ پریس پر آپ کو دینی علوم کے بارے میں کتابیں چھپتی نظر آئیں گی۔

کازان میں اسلامی کتب کی تصنیف:-

یہ کازان کا شہر ''علماء کا شہر'' کہلاتا ہے۔ فقیر نے اس کی تاریخ پڑھی تو لکھا ہوا تھا کہ جب اسلامی تعلیمات ہر طرف عام تھیں تو اس شہر میں اتنے علماء تھے کہ ہر سال اس شہر سے دین اسلام کے بارے میں چھ ہزار (6,000) نئی کتابیں لکھی جاتی تھیں۔ اب بتائیے کہ ان حضرات میں کیسی علمی استعداد ہوگی اور انہوں نے دین کی کتنی خدمت کی۔ یہ ان کا علمی سرمایہ ہے کہ جس کی وجہ سے آج ہماری گاڑی آگے چل رہی ہے۔

ہماری ذمہ داری:-

اگر آج ہم کام نہیں کریں گے تو ہوسکتا ہے کہ ہم اس کی کمی محسوس نہ کریں لیکن یاد رکھیں کہ یہ تنگی ہماری آنے والی اولادیں محسوس کریں گی اور وہ قیامت کے دن ہمارا گریبان پکڑیں گی کہ انہوں نے تو اپنے بڑوں سے وراثت پائی اور زندگی گزار لی لیکن اپنے دور میں انہوں نے کام نہ کیا، اس لئے جب ہمیں دین ملا تو ہمیں درمیان میں خلاء نظر آتا ہے۔ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اس کے لئے ہمیں قیامت کے دن عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہونا پڑے گا اور کہنا پڑے گا کہ ہم نے ہی کام نہیں کیا تھا۔

امت محمدیہ ﷺ کی دو خاص نشانیاں:-

امت مسلمہ کی جہاں اور بہت ساری خوبیاں ہیں وہاں اس امت کی ایک خوبی تورات وانجیل میں یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اس امت کے علماء دین اسلام پر بہت زیادہ کتابیں لکھیں گے، اس سے پہلے کسی امت نے دین پر اتنی کتابیں نہیں لکھی ہوں گی ۔اور دوسری خوبی یہ بیان فرمائی گئی کہ یہ امت اللہ کے ذکر کے لئے اللہ کے نام پر آپس میں مل بیٹھا کرے گی اور سب اللہ کو یاد کریں گے۔ گویا یہ دو نشانیاں خاص طور پر اس امت میں موجود ہوں گی۔

اگر تاریخ عالم پر نظر دوڑائی جائے تو یہ بات طشت از بام ہوتی ہے کہ اس امت کے علماء یقیناً کثیرا لتصانیف تھے۔

❁-امام رازیؒ نے منبر پر کھڑے ہوکر کہا کہ میں نے ان انگلیوں کے ساتھ 600 کتابیں خود لکھی ہیں۔

❁- کسی نے کہا کہ میں نے 500 جلدیں لکھی ہیں۔

❁- کسی نے کہا کہ میں نے 600 جلدیں لکھی ہیں۔

❁- کسی نے کہا کہ میری کتابوں کا وزن دو اونٹوں پر رکھا جاتا تھا۔اتنی کتابیں تو وہ لکھا کرتے تھے کہ دو دو اونٹوں کا بوجھ بن جایا کرتی تھیں۔

❁-ایک محدث فوت ہوئے۔انہوں نے اتنی کتابیں لکھیں کہ جب ان کی زندگی کے ایام اور ان کی اپنی کتابوں کے صفحات کو ایک دوسرے پر تقسیم کیا گیا تو چالیس صفحات روزانہ کے بنے۔اب بتائیں کہ چالیس صفحات کون روزانہ کے لکھ سکتا ہے۔لیکن یہ ان کا فیضان تھا۔سبحان اللہ، اللہ رب العزت نے ان کے وقت میں برکت دی تھی کہ وہ تھوڑے وقت میں اتنا بڑا کام کر لیتے تھے کہ آج ہم سالوں میں بھی اتنا کام نہیں کر سکتے۔یہ خدائی مدد ہوتی تھی، یہ قبولیت ہوتی تھی اور ان کے دل میں شوق ہوتا تھا۔

رسالہ شاطبیہ کا فیض:-

علامہ شاطبیؒ نے جب رسالہ ''شاطبیہ'' لکھا تو پھر حرم شریف میں حاضر ہوئے اور وہاں پر انہوں نے 1200 مرتبہ طواف کیا اور ہر طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھ کر دعا مانگی کہ اے اللہ! اس کتاب کو قبولیت عامہ تامہ نصیب فرما۔ اللہ رب العزت نے اس کتاب کو اتنی مقبولیت نصیب فرمائی کہ آج اس وقت تک کوئی قاری نہیں بن سکتا جب تک وہ اس کتاب کو پڑھ نہ لے۔ معلوم ہوا کہ وہ حضرات صرف لکھتے ہی نہ تھے بلکہ وہ مانگتے بھی تھے۔ فیض کا آگے جاری ہو جانا قدرت کی طرف سے ہوتا ہے اور اس کے پیچھے انسان کا تقوی ہوتا ہے۔

بخاری شریف کا فیض:-

بخاری شریف حدیث کی وہ کتاب ہے جو قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب شمار ہوتی ہے۔ حالانکہ صحت کے اعتبار سے مسلم شریف کا معیار اور مقام اس سے بھی بلند ہے۔ مگر امام بخاریؒ کے تقویٰ کی وجہ سے ان کی مرتب کردہ اس کتاب کو زیادہ قبولیت نصیب ہوئی۔ آج دنیا میں جب حدیث کا نام آتا ہے تو امام بخاریؒ کا نام آتا ہے۔

مشکوٰۃ شریف کا فیض:-

مشکوۃ شریف بھی حدیث کی ایک کتاب ہے۔ اگر آپ دیکھیں تو اس مشکوۃ شریف کے بالکل ہم پایہ بلکہ اس سے کچھ بہتر حدیث کی اور بھی کتابیں مل جائیں گی مگر ان کو وہ قبولیت عامہ نصیب نہ ہوئی جو مشکوۃ شریف کو نصیب ہوئی۔

ہمارے شہر کی حیثیت:-

تصنیف و تالیف اس امت کا کام ہے۔ لہٰذا ہر دور کے علماء کو جہاں باقی محاذوں پر اپنی ذمہ داری کو

پورا کرنا ہے وہاں اس محاذ پر بھی ذمہ داری کو پورا کرنا ہے۔ اچھا دل میں یہ خیال اس لئے آیا کہ یہ (جھنگ) ہمارا چھوٹا سا شہر ہے۔ دنیا کی نظر سے دیکھیں تو ایک گاؤں کہیں گے۔ اس شہر میں کم از کم پچاس علماء تو ہوں گے۔ اب ان پچاس علماء کو اگر دیکھا جائے کہ انہوں نے دین پر کون سا کام تحریر کے ذریعے کیا ہے تو شاید آپ کو بہت تھوڑے ملیں گے۔ تو خیال آیا کہ کیوں نہ ہم اپنی ہی اس جگہ سے اس کے لئے قدم آگے بڑھائیں۔

تدریس کے لئے امریکن سسٹم:-

اس طرح کی باتیں کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کا واقعہ سنئے۔ امریکہ میں وہاں کے بچوں کو شام کے وقت درس دیئے جاتے ہیں۔ ان کو دین کے بارے میں پڑھایا جاتا ہے۔ جب ان کو دین کے بارے میں پڑھاتے ہیں تو وہاں پر عام کتابیں نہیں چلتیں۔ مثلاً آپ کو تاریخ کی کوئی بات کرنا ہے تو وہ طلباء آگے پیچھے اتنے سوالات پوچھیں گے کہ آپ حیران ہو جائیں گے۔ لہٰذا آپ کو اس کی پوری تفصیلات کا پتہ ہونا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر کسی نے حضرت نوحؑ کا واقعہ بیان کیا تو وہ پوچھیں گے کہ حضرت نوحؑ کس علاقہ کے تھے؟ اب آج کے دور میں ان کو کیا سمجھائیں گے؟ اگر آپ کہیں گے کہ کہیں تھے تو امریکن سسٹم ایسا ہے کہ وہاں کے بچے آپ کی اس بات کو تسلیم نہیں کریں گے۔ وہ کہیں گے کہ جب استاد کو یہ بھی پتہ نہیں کہ یہ نبیؑ دنیا کے کس علاقہ میں آئے تھے تو پھر وہ واقعہ کیا سنائیں گے۔ اس لئے وہ متاثر ہی نہیں ہوں گے۔ کیوں کہ وہ ایک طرف سکول جاتے ہیں تو وہاں ان کو سائنس پڑھائی جاتی ہے اوران کو بتایا جاتا ہے کہ ہم سچ پر بات کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف یہاں آتے ہیں تو یہاں ان کو کچھ معلومات دے دی جاتی ہیں اوران کو اس کے اندر بھی ترتیب نظر نہیں آتی۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو بس ایسے ہی قصے کہانیاں ہی ہیں۔ ان کو اعتماد نہیں ہوتا...... حضرت آدمؑ کا نام آیا تو انہوں نے

حضرت آدمؑ کے نام پر آپ سے سوال پوچھنا شروع کر دیتے ہیں کہ وہ پہلے نبیؑ تھے؟ ان سے پہلے کون انسان تھے؟ وہ سب سے پہلے کیوں بنے؟ ان کو شروع سے ہی زمین پر کیوں نہیں بنایا؟ ان کو پہلے جنت میں کیوں بھیجا جب باہر ہی نکالنا تھا؟ تو اتنے سوالات شروع کر دیں گے کہ آپ حیران ہو جائیں گے۔ اس وقت ضرورت محسوس ہوئی کہ ایسا لٹریچر اور کتابیں ہوں کہ جن میں چھوٹے چھوٹے سوال جواب ان بچوں کے لئے بنائے جائیں۔

ایک ٹائی عالم کا تفسیر لکھنا:-

ان ملکوں میں چونکہ علماء بہت کمیاب ہیں اس لئے یہ کام وہاں کے ٹائی علماء کر رہے ہیں۔ آپ حیران ہوں گے کہ ایک صاحب سیر کر رہے تھے۔ مگر اس انداز کا لباس پہنا ہوا تھا کہ رانیں ساری ننگی تھیں، ننگے سر تھا، اس کا پیٹ ناف تک نظر آ رہا تھا اور پاؤں میں جوگر پہنے ہوئے تھے۔ وہ بھاگتے ہوئے اسی حالت میں اس عاجز سے ملنے آیا اور کہنے لگا، حضرت! دعا کرنا۔ عاجز نے کہا، کیا بات ہوئی؟ کہنے لگا، آج کل میں قرآن پاک کی تفسیر لکھ رہا ہوں۔ اب بتائیے کہ ایسی تفسیریں وہاں کے طلباء کو کیا نورانیت دیں گی۔

ٹائی عالم کی بیوی کی زبوں حالی:-

کچھ عرصہ کے بعد وہی صاحب کوٹ پینٹ پہن کر آئے اور کہنے لگے، جی اجازت ہے کہ میں اپنی بیوی کو بھی لے آیا ہوں، کچھ باتیں آپ سے پوچھنی ہیں۔ ہم نے کہا کہ ہم تو اس طرح خواتین کو کمرے میں نہیں آنے دیتے، ان کے لئے ہم نے ایک علیحدہ جگہ بنائی ہوئی ہے وہاں پردہ ہے، وہ اس کے پیچھے بیٹھ کر سوال پوچھے۔ وہ کہنے لگے، جی اس میں حرج ہی کیا ہے؟ اس نے چند سوال ہی پوچھنے ہیں۔ اب دیکھیں کہ جو آدمی تفسیر لکھ رہا ہے اس کو یہ بھی سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ غیر عورت آ کر سوال پوچھ رہی ہے اور کہہ رہا ہے کہ اس میں حرج ہی کیا ہے، اس نے تو چند سوال ہی پوچھنے ہیں۔ ہم نے ایک لڑکے سے کہا

کہ اس کو پردہ کے پیچھے بٹھائیں تا کہ ہم بات کریں۔ وہ لڑکا اسے بٹھا کر آیا اور اس نے کہا کہ حضرت! اس عورت نے تو ساڑھی پہن رکھی تھی، سر سے ننگی تھی اور پیٹ بھی آدھا ننگا تھا۔......افسوس کی بات یہ کہ یہ عورت اپنے خاوند کے ساتھ مل کر تفسیر لکھ رہی تھی۔ فقیر عام آدمی کی بات نہیں کر رہا بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اس وقت ایک درجن سے زائد کتابیں لکھ چکے ہیں اور پورے امریکہ کے اندر آج ان کی کتابیں اسلامک سنٹرز میں پائی جاتی ہیں۔

مطلوبہ کتابوں کی ترتیب کا انداز:-

اس وقت ضرورت محسوس ہوئی کہ اوہو!...... یہ کام تو ہمارے علماء کو ہی کرنا چاہیئے اور ان کو بتا دیا جائے کہ وہاں کے بچے اس انداز سے ترتیب چاہتے ہیں تا کہ وہ اپنی لائبریریوں کے اندر بیٹھ کر مطالعہ کر سکیں۔ مثلاً حضرت نوحؑ کا واقعہ لیں تو اس کی پوری تفصیل دیکھیں اور چھوٹے چھوٹے سوال بنا کر لکھیں۔ فرض کریں کہ ایک واقعہ سے متعلّق اگر سو سوال بنے ہوئے ہوں تو بچہ جو سوال پڑھتا چلا جائے گا اس کے سامنے پورا واقعہ کھلتا چلا جائے گا۔ کیونکہ وہاں پر بچوں کو پڑھانے کے لئے اور قسم کی ترتیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ بچوں اور بچیوں کے مسائل مختلف ہوتے ہیں اس لئے کچھ لٹریچر اس کے مطابق ترتیب دے دیا جائے تا کہ اس کو انگریزی میں ترجمہ کر کے وہاں بھیجا جا سکے۔ اس طرح کم از کم مستند علماء کے ہاتھوں سے گزر کر ایک تحریر وہاں تک پہنچے گی۔ یہ تو نہیں ہوگا کہ ہر ٹائی پہننے والا اور ننگے سر والا کھڑا ہو کر کہہ دے گا کہ میں قرآن پاک کی تفسیر لکھ رہا ہوں۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے دل میں یہ بات آئی کہ کیوں نہ ہم یہاں پر اپنے علماء کی سربراہی میں ایک ایسی علمی فضا قائم کرنے کی کوشش کریں تا کہ آپس میں مل بیٹھیں اور سوچیں کہ کیا ضرورتیں ہیں، کیا تقاضے ہیں۔ اس کی تفصیلات باقاعدہ آپ کی خدمت میں عرض کر دی جائیں گی اور پھر آپ لائبریریوں سے یا جو کتب آپ کے پاس ہیں ان سے

کچھ ترتیب دینا شروع کر دیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں سے کوئی ایسی کتاب نکل جائے جو وہاں کے نصاب میں ہی شامل ہو جائے۔ جب تک وہاں کے نصاب میں یہ شامل رہے گی آپ کو اس پر اجرو ثواب ملتا رہے گا۔ تو معلوم ہوا کہ ہم اس علمی کام کو جیسے تقریر کے ذریعے اور تدریس کے ذریعے دوسروں تک پہنچا رہے ہیں ویسے ہی ہمیں تصنیف کے ذریعے بھی دوسروں تک پہنچانا ضروری ہے۔

کینیڈا میں علماء کی محنت کا نتیجہ:۔

کینیڈا کے اندر تقریباً چودہ مفتی حضرات ہیں۔ انہوں نے مختلف اداروں سے افتاء میں تخصص کیا۔ انہوں نے وہاں اسی طرح کی ایک مجلس بنائی ہوئی ہے۔ انہوں نے سوچا کہ کینیڈا میں تو سارے ہی انگریزی لکھے پڑھے ہیں، ان کو ہم قرآن مجید کا ترجمہ پڑھانا چاہیں تو کیسے پڑھائیں۔ یہ تو نہیں ہوگا کہ یہ بڑے عالم بن جائیں گے مگر کم از کم ان کی جہالت تو ٹوٹے کہ جتنے جاہل ہیں اتنے جاہل نہ رہیں۔ اگر قاری صاحب قرآن پڑھ رہے ہوں تو انہیں پیچھے کھڑے ہوئے اتنا پتہ چل جائے کہ قرآن پاک مجھے کیا کیا بتا رہا ہے۔ اس پر انہوں نے محنت کرنا شروع کر دی۔

اس محنت کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج کل ایک کتاب لکھی گئی ہے جس پر وہاں کورس کروایا جاتا ہے۔ ہم لوگ بھی وہاں کورس کروا چکے ہیں۔ آپ حیران ہونگے کہ قرآن کے کل الفاظ 80,000 کے لگ بھگ ہیں۔ مگر ایک ایک لفظ کئی کئی مرتبہ قرآن پاک میں دوہرایا گیا ہے۔ ان بار بار دوہرائے جانے والے الفاظ کو اگر ایک ہی لفظ سمجھا جائے تو مختلف الفاظ کی تعداد 2,000 ہے۔ اور ان 2,000 الفاظ میں سے 500 الفاظ ایسے ہیں جو اردو زبان میں بولے جاتے ہیں۔ ہر اردو لکھنے پڑھنے والا اور بولنے والا ان کے مفہوم کو سمجھتا ہے۔ اس طرح باقی الفاظ 1,500 رہ گئے۔ معلوم ہوا کہ اگر ان کو 1,500 الفاظ کے معانی و مفہوم بتا دیئے جائیں تو جب قرآن پڑھا جا رہا ہوگا تو ان کو کچھ تو سمجھ آ رہا ہوگا۔

اس انداز سے جب ان حضرات نے کام کیا تو وہ جس علاقے میں بھی قرآن پاک کے ترجمے کی کلاس لیتے ہیں تو وہاں پر چالیس پچاس، سوسو کمپیوٹر انجینئر اور ڈاکٹر بھاگے چلے آتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ واقعی ترجمہ پڑھنے کے بعد ان کے دلوں میں نیکی کا شوق بڑھ جاتا ہے۔ ہم نے اس ترجمہ کلاس سے کئی ڈاکٹرز اور انجینئرز کی زندگیوں کو بدلتے ہوئے دیکھا ہے۔ تو وہاں کے علماء نے ماحول کی ضرورت کو سامنے رکھ کر کچھ کام کیا جس کا نتیجہ وہاں آج نظر آ رہا ہے۔

حضرت اقدس تھانویؒ کا تحریری فیض:-

جب علماء محنت کرتے ہیں تو وہ اس کا صلہ بھی پا لیتے ہیں۔ فقیر پچھلے دنوں بادشاہی مسجد کے خطیب حضرت مولانا عبدالقادر آزاد کا ایک مقالہ پڑھ رہا تھا۔ اس مقالے کا نام تھا ''حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور ان کی پوری زندگی'' اس مقالہ کے آخر میں انہوں نے حضرت کے نام سے جو کتابیں لکھی گئیں ان کے نام لکھے ہوئے تھے۔ ان کی تعداد 2,700 بنتی ہے۔

فقیر نے حضرت علامہ خالد محمود صاحب سے مانچسٹر میں پوچھا، علامہ صاحب! آپ کی پوری زندگی مطالعہ میں گزری۔ اس امت میں زیادہ سے زیادہ کتنی کتابیں لکھنے والے آپ کے علم میں گزرے ہیں۔ تھوڑی دیر سوچتے رہے اور پھر کہنے لگے، 500 بھی ہیں، 600 بھی ہیں۔ اور کافی دیر کے بعد فرمانے لگے، ایک کے بارے میں میں نے پڑھا کہ 1,100 ہیں۔ ہاں ماضی قریب میں ہمارے اکابرین میں سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت دی۔ انہوں نے تحریر کا کام کچھ تو بلا واسطہ خود کیا اور کچھ کام کی انہوں نے رہبری کردی، ہدایات دے دیں اور اپنے خلفاء اور شاگردوں کے ذمے لگا دیا کہ یہ کام کرو۔ اس طرح شاگردوں نے اپنے شیخ کے نام سے ان کی بتائی ہوئی ترتیب پر وہ کتابیں لکھ دیں جن کی تعداد 2,700 بنتی ہے۔ اب بتائیے کہ یہ حکیم الامت جب

قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو ان کو کتنی سرخروئی نصیب ہوگی۔

دو طرح کے خطباء:۔

فقیر سمجھتا ہے کہ ہر بندے کی زندگی میں اتنا وقت ضرور ہوتا ہے کہ جس میں دین کے بارے میں اپنے خیالات کو کچھ نہ کچھ قلمبند کر سکے۔ ہوتا کیا ہے کہ جب علماء پڑھتے ہیں تو صرف اس نیت سے پڑھتے ہیں کہ ہمیں جمعہ کا خطبہ دینا ہے۔ آپس کی بات ہے کہ اس وقت خطباء میں سے دو طرح کے حضرات ہیں۔ اگر بے ادبی ہو جائے تو فقیر معافی کا خواستگار ہے۔ کچھ حضرات وہ ہیں جن کی اخباری تقریریں ہوتی ہیں۔ وہ دو چار مختلف اخبار پڑھ لیتے ہیں اور ان کا جمعہ کا خطبہ ان چار اخباروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور کچھ حضرات ایسے ہیں جنہوں نے مختلف مدارس سے جاری ہونے والے ماہنامے اکٹھے کئے ہوتے ہیں۔ وہ ان ماہناموں کی تقریروں اور مقالہ جات کو پڑھ کر اس سے تقریر کر دیا کرتے ہیں۔ خود کتابوں کا مطالعہ کرنے کا شوق ہی آج ختم ہوتا چلا جا رہا ہے۔ وہ حضرات جو تدریس کا کام کرتے ہیں، خیر وہ تو دن رات اسی کام میں لگے ہوئے ہیں، ان کی بات نہیں کر رہے۔ یہ ان حضرات کی بات کر رہے ہیں جو مدارس سے پڑھ کر نکلے اور وہ اس وقت تدریس کا کام نہیں کر رہے بلکہ کہیں خطیب ہیں، امام ہیں یا کسی اور جگہ کام کر رہے ہیں۔ ان کی زندگی میں مطالعہ کا سلسلہ بہت کم ہو گیا ہے۔

ایک فارغ التحصیل عالم کی زبوں حالی:۔

فقیر نے ایک فارغ التحصیل عالم کے بارے میں ایک بات سنی کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ زکوٰۃ کتنی دینی چاہئے۔ وہ کہنے لگے کہ بس ہر چالیس پر ایک روپیہ نکالتے جاؤ۔ اب بتائیے کہ ایسا جواب آپ نے کبھی سنا ہوگا کہ تمہارے پاس جو چالیس روپے فالتو ہوں ان میں سے ایک روپیہ نکالتے جاؤ۔ نصاب کیا ہوتا ہے؟ کس پر شروع ہوتا ہے کس پر نہیں ہوتا؟ جب مطالعہ سے طبیعت بیزار ہو جاتی ہے تو

پھر ایسے جواب زبان سے نکلتے ہیں۔اس لئے کتابوں کے ساتھ اس رشتہ کا استوار رہنا بہت ضروری ہے

اکابرین امت میں مطالعہ کا شوق:-

ہمارے اکابرین کو تو محبّت ہی کتابوں سے ہوا کرتی تھی۔ ہر وقت مطالعہ میں ڈوبے رہا کرتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ حضرت انور شاہ کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس کتاب کو میں ایک دفعہ دیکھ لیتا تھا پھر اس کے بعد بیس سال تک اس کتاب کو نہیں بھولا کرتا تھا۔اور شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنیؒ نے فرمایا کہ پندرہ سال تک تو میں بھی نہیں بھولتا تھا۔انہوں نے اتنی خدمات سرانجام دیں کہ کتابوں میں ہی انکی زندگی گزر گئی۔اوران کی خدمات کا صلہ آج ہمیں مل رہا ہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اس وقت پر حسرت ہوتی ہے جو کھانے پینے میں گزر جاتا ہے کہ میں اس وقت میں مطالعہ نہیں کر پاتا۔امام محمدؒ کے بارے میں ایک صاحب جو ان کے ہم سبق تھے فرماتے تھے کہ میں نے ان کے بارے میں دیکھا کہ وہ رات کو چراغ جلاتے ، کتاب کھول کر دیکھتے اور اس کے بعد چراغ بجھا کر پھر لیٹ جاتے۔ پھر تھوڑی دیر بعد اٹھ بیٹھتے اور چراغ جلاتے۔ کہنے لگے کہ ایک دفعہ میں نے گنا کہ انہوں نے ایک رات میں سترہ دفعہ اٹھ کر چراغ جلایا اور کتاب کا مطالعہ کیا۔اب جس نے رات میں سترہ دفعہ اٹھ کر چراغ جلایا ہو کیا وہ سوتے ہوں گے؟ وہ سوتے نہیں تھے بلکہ وہ لیٹتے تھے اوران کا لیٹنا غور وفکر کے ساتھ ہوتا تھا۔اس لئے کئی مرتبہ آدمی دیکھتے تھے کہ چارپائی پر لیٹے ہیں اور وہ اسی عشاء کے وضو سے اٹھ کر فجر کی نماز پڑھ لیتے تھے۔

فقیر ایک دفعہ دارالعلوم دیوبند کے مفتی عزیز الرحمانؒ کے حالات زندگی پڑھ رہا تھا۔ان میں لکھا تھا کہ جب ان کا آخری وقت آیا تو اس وقت بھی ان کے سینے کے اوپر فتوے کا ایک کاغذ پڑا ہوا تھا۔امام ابو یوسفؒ کا جب آخری وقت آیا تو کسی طالبعلم نے اس وقت بھی ان سے میراث کے بارے میں سوال

پوچھا۔یعنی اس وقت میں جب کہ جان نکل رہی ہوتی تھی اس وقت بھی علمی نکات ان حضرات کے ذہن پر حاوی رہا کرتے تھے۔

عہد حاضر میں علماء کی خدمات:-

آپ دیکھئے کہ پورے پاکستان میں چند شخصیتیں ایسی نمایاں ہیں جو واقعی ٹھوس بنیادوں پر کام کر رہی ہیں اور دین کے بارے میں کسی نہ کسی عنوان پر کچھ نہ کچھ لکھتے چلے جا رہے ہیں۔حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی دامت برکاتہم اور حضرت مفتی رشید احمد مدظلہ کی خدمات قابل صد آفرین ہیں۔دیکھیں کہ اگر ان جیسے علماء ہوں تو بتائیں کہ کوئی پینٹ کوٹ والا ان حضرات کی بے ادبی کر سکتا ہے۔آپ جو یہ کہتے ہیں کہ آج انگریزی دان لوگ علماء کی قدر نہیں کرتے تو آپ ذرا ایسے عالم بن کر تو دکھائیں پھر یہ انگریزی دان آپ کے جوتے اٹھاتے پھریں گے۔یہ آپ کے سامنے بچھتے پھریں گے۔مگر ان کے سامنے ایسی شخصیتیں تو ہوں۔دراصل بات یہ ہے کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ آٹھ سال پڑھ کر بھی ایک عام آدمی جیسی زندگی گزار رہے ہیں اور انہیں اپنے اور ان میں کوئی فرق نظر نہیں آتا تو پھر انہوں نے تو شیر بننا ہوتا ہے کہ میں زیادہ جانتا ہوں اور یہ تھوڑا جانتا ہے، حالانکہ بات ایسی نہیں ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ہم علم کی اس استعداد کو ختم کر بیٹھے ہیں مطالعہ کے ساتھ اس رشتہ کے بحال نہ ہونے کی وجہ سے۔اگر ہم بھی اپنے اکابرین کے نقش قدم پر چل کر ان کی طرح کام کریں تو ہمارا حصہ بھی ان کے ساتھ شمار کر لیا جائے گا۔

لمحہ فکریہ:-

یقین کیجئے کہ وہ علماء جن کے چراغ کے تیل کا خرچہ ان کے مہینے کے کھانے کے خرچے سے زیادہ ہوا کرتا تھا آج ان کی اولادیں کتب کے مطالعہ سے بالکل کٹ چکی ہیں۔جن کے اجداد چٹائیوں پر بیٹھ کر ساری

ساری رات مطالعہ کرنے میں گزار دیتے تھے آج ان کی اولادیں نرم بستروں پر شب باشی کرنے کی عادی بن چکی ہیں۔ وہ حضرات جو اپنے دن کی ابتداء قرآن پاک کی تلاوت کے ساتھ کیا کرتے تھے آج ان کی اولادیں اخبار پڑھنے سے اپنے دن کی ابتداء کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اب علمی ذوق ختم ہوتا چلا جا رہا ہے۔

ہمیں اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے کہ ہمارے اندر استعداد نہیں ہے لیکن احساس تو ہے۔ اب اس احساس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں گے اور کچھ کرنا شروع کریں گے تو کیا بعید ہے کہ اللہ رب العزت کی رحمت جوش میں آجائے اور ہم جیسے لوگوں سے بھی اللہ تعالیٰ کوئی ڈھب کا کام لے لے اور آنے والی نسلوں میں اس کا فیض جاری ہوجائے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا تحریری فیض:-

مالا بد منه قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے لکھی۔ آج جو عالم بنتا ہے اس کے ہاتھ میں یہ کتاب دے دیتے ہیں کہ جی یہ تجھے پڑھنا پڑے گی۔ ماشاء اللہ ہزاروں حضرات اس کتاب کو پڑھ کر علماء بنیں گے اور وہ زندگی بھر علم کا جتنا کام کریں گے ان کو بھی اس میں سے حصہ ملتا رہے گا۔ بلکہ جس جس عالم کی کتاب درس نظامی کے نصاب میں شامل ہے وہ اس کے علم کے پورے اجر میں برابر کے حصہ دار ہیں۔

مولانا مشتاق حسین کا تحریری فیض:-

مولانا مشتاق حسین چرتھاولیؒ نے اردو میں ''علم النحو'' اور ''علم الصرف'' رسالے لکھے ہیں۔ دیکھئے کہ یہ کتابیں کتنی عام ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ حتیٰ کہ مدارس میں کئی مرتبہ کہتے ہیں کہ یہ کتاب ذرا دیکھ لو اس سے فائدہ ہوگا۔ ظاہر میں تو ایک چھوٹا سا کام ہے۔ انہوں نے کیا کیا؟ ان کی زندگی کا جو مطالعہ تھا انہوں

نے کوشش کی کہ میں اس کو آسان بنا کر پیش کردوں تا کہ طلباء کو آسانی ہو۔ چنانچہ آج لوگوں کے لئے صرف ونحو سیکھنے میں بہت آسانی ہوگئی ہے۔

دینی ماہنامے کیوں بند ہو گئے:-

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی زندگی میں اپنے فرض منصبی کو سمجھتے ہوئے کہ ہم نے اس طریقہ سے بھی دین کی حفاظت کرنی ہے، اس سلسلہ میں بھی قدم اٹھانا چاہیئے۔ اب ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ آج پوچھیں کہ مرشد پکڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ آج کے دور میں اس لمبے چوغے کی کیا ضرورت ہے؟ بھئی ہمیں تو محبوب ﷺ سے یہی چیزیں ملی ہیں اور ہم اس بات کے پابند ہیں کہ محبوب ﷺ کی سنتوں کو آنے والی نسلوں تک پہنچا جائیں۔ اس لئے کتابوں کا مطالعہ کرتے رہنا چاہیئے اور انسان اس پر اپنی سوچ بچار کرے وقت کے تقاضوں کے مطابق اس کو لکھتے رہنا چاہیئے اور پھر اس کی اپنے بڑوں سے تصحیح کروالینا چاہیئے تا کہ ان کی نظر سے گزر جائے۔ ابتداء میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ حضرات جو کچھ لکھیں ،کسی نہ کسی ماہنامے میں جو مختلف مدارس سے چھپتے ہیں ان کو بھیجنا شروع کردیں۔ آج ماہناموں والوں کو اتنی پریشانی ہے کہ لکھنے والے ہی نہیں ملتے۔ کتنے ہی ایسے ماہنامے ہیں جو ہزاروں کی تعداد میں جاری ہوئے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ صفحۂ ہستی سے غائب ہو گئے۔ جب پوچھا گیا کہ ایسا کیوں ہوا تو کہنے لگے کہ لکھنے والے ہی نہیں ملتے ہم کیا کریں۔ افسوس کہ مختلف جگہوں سے جو فیض جاری ہوتا تھا وہ فیض ہی بند ہوتا چلا جا رہا ہے۔ تو آخر کہیں کوئی تو ہو جو اس کے بارے میں بیٹھ کر سوچے اور قدم اٹھانے کی کوشش کرے۔ کیا بعید ہے کہ اللہ رب العزت اس فکر پر ایسی مہربانی فرما دیں کہ آپ حضرات میں سے کچھ حضرات ایسے ہوں جن کا علمی کام تحریر کی شکل میں اس طرح ضبط ہو جائے کہ وہ آپ کے لئے اور ہمارے لئے بخشش کا ذریعہ بن جائے۔

علمی سرمایہ سے محرومی:-

اس عاجز کو یاد ہے کہ جب سکول میں پڑھتے تھے تو ڈھجی روڈ پر وقف یٰسینی کے نام سے ایک لائبریری ہوتی تھی۔ اس میں بہت زیادہ کتابیں ہوا کرتی تھیں۔ مگر چونکہ اس علمی خزانے کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں تھا اس لئے پتہ چلا کہ کچھ عرصہ کے بعد اس شہر کا علمی ذخیرہ یہاں سے اٹھا کر کہیں کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا ہے۔ وہ ہزاروں کتابیں اس عاجز نے خود دیکھی ہوئی ہیں۔ ہزاروں کتابوں کا علمی سرمایہ جب اس شہر سے چلا گیا تو یہ شہر تو محروم ہو گیا۔ اب اگر آج وہ لائبریری یہاں موجود ہوتی تو ہم میں سے کوئی بھی وہاں کی کتابوں سے فائدہ اٹھانا چاہتا تو اٹھا سکتا تھا۔

یہ چند باتیں جو سامنے آئیں وہ آپ کی خدمت میں عرض کر دی ہیں۔ اللہ رب العزت قبول فرمائیں اور ہمیں عملی طور پر اس سلسلہ میں قدم اٹھانے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ (آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ